”طائرانہ نظر“ پر اعتراضات
اور
ان کے جوابات

از قلم:

سید ارشد سعید کاظمی

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان، پاکستان

سینئر نائب صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

مہتمم اعلیٰ جامعات السعید پاکستان

الاعراف
al'araf
PUBLISHING HOUSE

مولانا منظور احمد صاحب مینگل نمائندہ وفاق المدارس پاکستان کی طرف سے ”طائرانہ نظر“ پر کیے گئے اعتراضات کا عکس

(۱)

اس رسالے کے پڑھنے سے مجموعی طور پر جو تاثر قائم ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اس نصاب میں شرک کو بت پرستی میں محدود کیا جائے۔ اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام کی تعظیم کی آڑ میں شرک کا دروازہ کھولا جائے۔

یہی وجہ ہے بعض مقامات پر فاضل تبصرہ نگار نے مخصوص فکر کے مطابق بے جا قسم کے اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً صفحہ نمبر ۲۰ پر رقمطراز ہیں مزید برآں نصاب کے ابتدائی حصے اسی انداز سے ترتیب دیے ہیں کہ بچوں کی ذہنی تربیت ابتداء ہی سے ایسی کر دی جائے کہ پھر آسانی سے بدلا نہ جاسکے، اس لیے شروع میں صرف ایسی سورتیں لائی گئی ہیں جن میں صرف عقیدہ توحید کیساتھ زیادہ تر کفر وشرک اور معبودان باطلہ کی مذمت کی گئی

تبصرہ نگار کا مذکورہ اعتراض سمجھ سے بالاتر ہے، اگر ابتداء ہی سے طلبا کو عقیدہ توحید سے محبت اور شرک سے نفرت سکھائی جائے تو اس پر اعتراض کی کیا بات ہے؟ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا طریقہ کار بھی یہی تھا کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دیتے تھے اور شرک سے روکتے تھے۔

کیا آپ ﷺ نے سب سے پہلے قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون فرما کر عقیدہ توحید کی دعوت نہیں دی؟

کیا آپ ﷺ نے سب سے پہلے شرک کی مذمت اور معبودان باطلہ کی نفی نہیں کی۔

اسی طرح صفحہ نمبر ۱۹ پر تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

سورہ نمل کی آیت ۶۵ ﴿ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ ﴾ (آپ فرمادیجئے غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں ٹیں ہے اللہ کے سوا)

سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو غیب کا علم نہیں دیتا کیونکہ اس میں غیب کے بخود جاننے کی نفی کی گئی ہے۔ کسی کو عطا کرنے کی نفی نہیں کی گئی بلکہ غیب عطا فرمانا ثابت ہے۔

تبصرہ نگار کی مذکورہ تفسیر نہ صرف غلط بلکہ قرآن کریم میں تحریف کے مترادف ہے کیونکہ یہ تفسیر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین اور مفسرین میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں۔

نیز مذکورہ آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر علم الغیب کے خود سے جاننے کی نفی ہے؟ اس کی وضاحت کی جائے۔

کیا اعطاء الغیب کیلئے علم الغیب لازم نہیں خصوصاً جبکہ متعلم استعداد تام کا مالک ہو کیا یہ ممکن ہے؟ کہ اللہ غیب عطا کرے اور قرآن لا یعلم الغیب کہہ کر رسول اللہ ﷺ سے غیب کی نفی کرے؟۔ اس اعطائے غیب کے بعد علم غیب کی نفی کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں اور یہ دونوں صورتیں باطل ہیں

نمبر ۱: اس کا مطلب یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) اللہ نے غیب عطا کیا مگر رسول اللہ ﷺ اسے حاصل نہ کر سکے۔ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی نہیں؟

نمبر۲: رسول اللہ ﷺ کو علم الغیب حاصل تھا مگر پھر بھی "لا اعلم الغیب" کہہ کر اپنے سے علم کی نفی کرتے تھے معاذ اللہ کیا یہ کذب اور دھوکہ دہی نہیں جس سے اللہ اور رسول پاک ہے۔

نوٹ: اس ذاتی اور عطائی کی تاویل بلکہ تحریف سے شرک کا دروازہ مکمل طور پر کھل جاتا ہے، ہر مشرک کہہ سکتا ہے کہ کلمہ توحید (لا الٰہ الا اللہ) میں غیر اللہ کے معبود ہونے کی جو نفی ہے وہ خود سے معبود ہونے کی نفی ہے جبکہ ہمارے معبود خود سے معبود نہیں بلکہ اللہ نے ان کو شان معبودیت عطا فرمائی ہے۔

واضح رہے کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب (ماکان وما یکون کا عالم) نہیں کیونکہ قرآن کی کئی سورتوں میں اور سیکڑوں احادیث میں یہ مسئلہ موجود ہے نیز فقہاء کرام کی متعدد عبارتیں بھی اس پر دال ہیں

چنانچہ پیر بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: من یعتقد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب فھو کافر لان علم الغیب صفۃ مختصۃ باللہ سبحانہ (مراۃ الحقیقۃ ص:۱۸)

عینی شرح البخاری ص:۳۹۰ بحر الرائق، خلاصۃ الفتاویٰ، جلد۴ ص:۴۵۴ فتاویٰ بزازیہ ص:۲۲۵، قاضی خان ج۴ ص:۱۸ فتاویٰ عالم گیریہ ص:۴۱۷ فتح القدیر ص:۱۳۱ رد المحتار فتاوی مولانا عبدالحیٔ ج ا ص:۱۱۵ وغیرہ متعدد کتابوں میں مراۃ الحقیقت سے ملتی جلتی عبارتیں موجود ہیں

اس طرح فاضل تبصرہ نگار صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں:

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر مشہور اختلافی مسائل کو ایک مخصوص مکتب فکر کے مطابق زور دے کر بیان کیا گیا ہے، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا مسئلہ کہ آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ اور یہ کہ قرآن مجید میں مذکور آذر آپ کا چچا تھا یا والد؟ جیسے لفظ اب سے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ لفظ "اب" والد اور چچا دونوں کے لیے کلام عرب میں آتا ہے" جبکہ اس نصاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں لفظ اب کا اکثر جگہ ترجمہ والد سے کیا گیا ہے اور بت گر آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ثابت کیا گیا ہے۔

اس پر صرف اتنا عرض ہے کہ قرآن خود آزر بت گر کو ابراہیم علیہ السلام کا اب کہتا ہے اور اب کا حقیقی معنی والد ہی ہے باقی چچا کو اب مجازا کہا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے عرف میں بھی چچا کو مجازاً اب کہا جاتا ہے۔ حقیقی معنی کو (بغیر کسی قرینے کے) چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں لیا جاتا کیونکہ اس طرح مجازی معنی مراد لینے سے لغت پر سے امان اور اعتماد اٹھ جائے گا کیونکہ تقریباً ہر لفظ کا کوئی نہ کوئی مجازی معنی نکل ہی آتا ہے۔

نیز آزر کو ابراہیم علیہ السلام کے والد ماننے سے کونسی نص قطعی کا انکار لازم آتا ہے جس کی وجہ سے کتاب اللہ کے حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینا ضروری ہو؟۔ البتہ ایک قول آزر کے متعلق چچا ہونے کا بھی ہے جس کو تربیتی نصاب نے رہنمائے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔

واضح رہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے یا چچا اس کا تعلق کسی بھی مخصوص مکتبہ فکر سے نہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جو بھی بات کاظمی

صاحب کے مزاج کے خلاف ہو۔اس کو مخصوص مکتب فکر کا رنگ دیکر نصاب سے نکالنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اس طرح فاضل تبصرہ نگار صفحہ نمبر:۱۱پر رقم طراز ہیں:

اللہ تعالیٰ معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں دے دیتا ہے

اس پر صرف اتنا عرض ہے

معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جیسے و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی سے معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے اللہ کا فعل اللہ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں اس طرح تو اللہ کا اپنے فعل میں غیر اللہ کا تابع ہونا لازم آئے گا جو کہ شان الوہیت کے منافی ہے نیز قرآن مجید کی متعدد آیتیں اس پر دال ہیں کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ جب چاہے نبی کے ہاتھ سے اس کا ظہور رہوتا ہے۔ اسی طرح صفحہ:۱۴ نصاب کی عبارت نقل ہے

کہ ''نفع ونقصان کا اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے انبیاء کرام بھی اللہ کے حکم کے پابند ہوتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم کے مطابق کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۸۸ میں فرمایا گیا ((آپ فرمادیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا خود مالک نہیں ہوں مگر (یہ کہ) جس قدر اللہ چاہے))

تبصرہ:

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مذکورہ آیت کی تفسیر میں تبصرہ نگار نے صفحہ نمبر۱۴ جو گل افشانی کی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے

اسی طرح صفحہ نمبر:۱۵پر لکھتے ہیں اس پوری کتاب میں وسیلے کی بجائے بکثرت ذریعے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ قرآن کریم وسیلہ کا لفظ بارہا آیا ہے ذریعہ کا لفظ ایک بار بھی نہیں آیا، ہمیں قرآنی نصاب میں قرآنی لفظ استعمال کرنا چاہیے)

اس پر عرض ہے کہ
ذریعہ اور وسیلہ دونوں کا معنی اگرچہ ایک ہی ہے مگر اردو میں زیادہ تر لفظ ذریعہ استعمال ہوتا ہے اس لیے اگر لفظ وسیلہ کا ترجمہ اردو میں لفظ ذریعہ سے کیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

اس اعتراض میں دراصل ایک مخصوص فکر کار فرما ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان پیر وغیرہ کا وسیلہ ہونا چاہیے وسیلہ کے بغیر کام نہیں چلے گا۔

اسی طرح صفحہ نمبر:۱۴ سید کاظمی صاحب نے قرآنی نصاب سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہوں تو اللہ سے مانگو (ترمذی)

اس حدیث کے متعلق اسی صفحہ پر کاظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دی علم فاؤنڈیشن کے مرتب کردہ نصاب میں کئی مقامات پر اس حدیث کی روشنی میں یہ بات بار بار تحریر کی گئی ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی مانگنا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مانگنا ہے (اگرچہ جوتے کا تسمہ کیوں نہ ہو) رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے تو کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا ہے مگر ہمارا اختلاف اس حدیث پاک کی تشریح میں اس انداز تحریر سے ہے جس میں

انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قلت ادب ہے، کیونکہ اسلام ایک حسین مذہب ہے اور اس کو عقل سلیم کے تقاضوں کے مطابق بیان کرنا چاہیے، انصاف سے فیصلہ کیا جائے کہ جب کسی کو وسیلہ نہ مانتے ہوئے یہ جملہ کسی عقل سلیم رکھنے والے شخص کے سامنے بیان کیا جائے، کیا وہ اسلام کو دین فطرت اور ایک سچا مذہب سمجھے گا

(اس کے چند سطروں کے بعد مذکورہ حدیث کے دین فطرت کے بجائے اپنی فطرت کے مطابق تشریح کرتے ہوئے سید کاظمی صاحب لکھتے ہیں) یہاں ذراسی وضاحت کے ساتھ یوں بات کہی جائے تو ہر قسم کا غبار دھل جائے گا کہ ہم جس سے جو چیز بھی طلب کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ ہی عطا فرماتا ہے چاہے وہ جوتے کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ بظاہر جس سے جو چیز طلب کی ہے وہ ہمارے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہے کہ عادت الٰہیہ اسی طرح ہے کہ دیتا اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس کی عطا کے لیے وسائل ہوتے ہیں

قارئین کرام! ایک دفعہ پھر آپ مذکورہ حدیث اور دی علم فاؤنڈیشن کی طرف سے کی جانے والی تشریح ملاحظہ فرمائیں اس میں ایسی کونسی بات ہے جو شان انبیاء واولیاء کے خلاف ہے اگر وسیلے کے بغیر عقل سلیم رکھنے والا شخص اس حدیث کا انکار کرتا ہے تو یہ الزام (معاذ اللہ) گویا کہ رسول اللہ ﷺ پر آئے گا کہ انہوں نے وسیلے کو ذکر کئے بغیر اس حدیث کو ذکر کیوں کیا؟

بات درحقیقت یہ ہے کہ مذکورہ حدیث قبر پرستی اور غیر اللہ سے مانگنے کے خلاف ایٹم بم ہے اس لیے قبر پرست حضرات اس حدیث سے پریشان ہیں، چونکہ صاف الفاظ میں حدیث کا انکار ممکن نہیں اس لیے حدیث کی اپنی فطرت کے مطابق ایسی من مانی تشریح کی ہے کہ حدیث کا مقصد بھی فوت ہو اور ان کی قبر پرستی بھی چلتی رہے، اور حدیث کے انکار کا الزام بھی نہ لگے۔

فرماتے ہیں وسیلے کو مانے بغیر حدیث کی تشریح میں انبیاء واولیاء کی قلت ادب ہے گویا کہ اللہ سے براہ راست مانگنا بے ادبی ہے اور قبروں اور مزاروں سے مانگنا شرک نہیں بلکہ عین ادب ہے کیونکہ یہ وسائل ہیں اور عطا کرنے والا اللہ ہے یہ وہی بات ہے جو مشرکین مکہ کہتے تھے ﴿ مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی ﴾ واضح رہے غیر اللہ سے مانگنے پر جو چیز بھی ملتی ہے وہ درحقیقت اللہ ہی عطا کرتا ہے یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے اس سے ہمیں انکار نہیں مگر ہمارا اختلاف اس حدیث پاک کی تشریح میں اس انداز تحریر سے ہے جس میں انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء عظام رحمہم اللہ کی تعظیم کی آڑ میں قبر پرستی اور غیر اللہ سے مانگنے کی ترغیب ہے جس سے اس حدیث کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اسی طرح فاضل تبصرہ نگار صفحہ نمبر ۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

اس چیز کی وضاحت ہونی چاہیے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانے میں جو شرک تھا وہ بت پرستی کی بناء پر ہوا کرتا تھا کسی ایک شخص کو بھی کسی نبی کی تعظیم بجالانے کی بناء پر مشرک قرار نہیں دیا گیا۔

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گویا کہ فاضل تبصرہ نگار کے نزدیک شرک صرف بت پرستی کا نام ہے اس پر صرف اتنا عرض ہے کہ کیا نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کے تعظیم میں غلو کرنے کی وجہ سے مشرک نہیں ہوئے؟

واضح رہے عبادت کہتے ہیں کسی کے سامنے انتہائی تذلل اور تعظیم کرنا۔ اس قسم کی تعظیم اگر کسی نبی یا ولی کی کی جائے تو یہ بھی شرک ہے

اسی طرح چند دیگر مقامات پر کاظمی صاحب کے معروضات سے ہمیں اختلاف ہے مگر طوالت کے خوف سے اُسے نظر انداز کیا جاتا ہے

ضروری وضاحت:

ہمارے اس تجزیئے سے ہرگز یہ نظریہ قائم نہ کیا جائے کہ سید کاظمی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ان سب باتوں سے ہم اختلاف کرتے ہیں اور تربیتی نصاب کے ساری باتیں درست ہیں، ایسا ہرگز نہیں بلکہ کاظمی صاحب کی بعض باتوں سے ہم بھی اتفاق کرتے ہیں، مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کے قصے میں قرآن کریم میں ایک جملہ (فظن ان لن نقدر علیہ) کا بھی ہے قرآنی نصاب میں جو اس کا ترجمہ کیا گیا تھا وہ کسی بھی طرح پیغمبر کی شان کے مطابق نہیں۔اس ترجمہ پر کاظمی صاحب نے جو تنقید کی ہے وہ بجا طور پر درست ہے نیز کاظمی صاحب نے گستاخ رسول کی سزا کے متعلق جو تجویز دی ہے وہ بھی قابل تعریف ہے ہمارا مطالبہ ہے کہ گستاخ رسول کی سزا جو کہ قتل ہے اُسے واشگاف الفاظ میں نصاب کا حصہ بنایا جائے۔اس کے علاوہ چند دیگر مقامات میں بھی کاظمی صاحب نے اچھی گرفت کی ہے ہم بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔

اللہ ہماری کمی کوتاہی کو معاف فرمائے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آغازِ سخن

دی علم فاؤنڈیشن کے مرتب کردہ نصاب مطالعہ قرآن حکم برائے طلباء وطالبات کے جائزہ کے سلسلے میں وفاقی وزارت تعلیم کے دفتر میں ہونے والی دوسری میٹنگ میں جب میرے استاد و مربی حضرت علامہ سید ارشد سعید کاظمی صاحب پہنچے تو مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب نے آپ کے رسالہ ''طائرانہ نظر'' پر پانچ صفحات پر مشتمل ایک اعتراض نامہ عطا فرمایا چونکہ اس میٹنگ کے چند روز بعد حضرت علامہ سید ارشد سعید کاظمی صاحب نے عمرہ پر جانا تھا۔ آپ مولانا منظور احمد مینگل صاحب کا اعتراض نامہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔

عمرہ ادا کرنے کے بعد ۱۰ جون ۲۰۱۷ بروز ہفتہ بمطابق تاریخ سعودی عرب ۱۵ رمضان المبارک مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو اپنے رہائشی ہوٹل زم زم بولمان مدینہ میں جس کی کھڑکی مواجہ شریفہ کے سامنے کھلتی تھی وہاں بیٹھ کر اپنے آقا سید العالمین، صاحبِ لولاک ﷺ کی بارگاہ اقدس میں استغاثہ بھی کرتے رہے اور جوابات بھی تحریر کرتے رہے۔

بروز جمعۃ المبارک ۱۶ جون ۲۰۱۷ کل سات روز میں بغیر کسی امدادی کتب کے اس کام کو مکمل کیا اور پھر ملتان اپنے دولت کدہ پر آ کر اس کی نوک پلک سنواری اور کتابوں کے حوالہ جات، صفحات وغیرہ تحریر کئے۔

یہ مختصر انتہائی علمی تحریر آپ کے ہاتھوں میں ہے جس کو آپ پڑھئے اور محظوظ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ

فقیر حافظ محمد عبد الرزاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب نے ہمارے رسالہ ’’طائرانہ نظر‘‘ پڑھنے کے بعد چھ باتوں پر اعتراضات کئے۔

(۱) تعظیم انبیاء بجالانے پر (۲) علم غیب بتلانے اور اس کے عطا کرنے پر۔ (۳) آزر کا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہونے پر۔ (۴) انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیار سے ان کے مختار ہونے پر۔ (۵) وسیلہ پر (۶) انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانہ میں انکی تعظیم بجالانے کی بنا پر کسی مسلمان کے مشرک نہ ہونے پر۔

اس بارے میں ہمارا سوال یہ ہے کہ ہم نے ان امور میں جتنے بھی دلائل اپنے رسالہ ’’طائرانہ نظر‘‘ میں پیش کئے تھے مولانا سے ایک کا جواب بھی نہ بن پڑا۔ مثلاً علم غیب کے عطائی ہونے پر جو ہم نے آیات پیش کیں ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات کے سلسلے میں جو دو آیات ہم نے پیش کیں ان کا کوئی بھی جواب نہیں دیا اسی طرح باقی تمام اعتراضات بھی ملاحظہ فرمائیے

مولانا کو اس وقت تک ہماری کسی بات پر اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں تھا جب تک کہ وہ ہماری باتوں کا جواب نہ دے دیتے۔ اس کے باوجود ان کا اپنے طور پر خود ساختہ دلائل بنا کر پیش کرنا معارضہ کی صورت میں اس طور پر تو ہوسکتا ہے کہ ہمارے پاس آپ کی باتوں کے جوابات تو نہیں مگر ہمارے کچھ دلائل ہیں اگر آپ انہیں توڑ دیں تو ہم آپ کی بات تسلیم کر لیں گے۔

بہر حال ہم نے مولانا کے تمام اعتراضات کے جوابات پیش کر دیئے ہیں۔

؎ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات۔

مولانا منظور احمد مینگل صاحب کے سب اعتراضات اس رسالہ کے آخر میں اپنی اصلی ہیئت میں لف ہیں۔ مولانا کی عبارت میں بعض مقامات پر اتنا سقم ہے جسے پڑھ کر آپ یقیناً خود پریشان ہوجائیں گے مگر ہم نے اسے جوں کا توں پیش کر دیا ہے مثلاً مولانا کا کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کی بجائے لا اللہ اللہ ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والے کی آسانی کی خاطر مولانا منظور احمد مینگل صاحب کی عبارت سرخ رنگ میں جبکہ ہماری ’’طائرانہ نظر‘‘ کی عبارت نیلے رنگ میں پیش کی ہے۔

مولانا مینگل صاحب کے اعتراضات پر محو حیرت ہوں کہ انکے تجزیئے کو سوءِ فکر سے تعبیر کروں یا علمی مناقشے میں ضعفِ فہم واستدراک پر محمول کروں۔ باوجود اس کے کہ مولانا کی تحریر پر مؤقر ترین تبصرہ تو باب العلم سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا قول فتکلموا لتعرفوا ہے لیکن مولانا کی جرأت تسلیم کو خراج ادا نہ کرنا بھی بد دیانتی ہوگی۔

مولانا مینگل صاحب کی دین کے ساتھ دیانت داری کو ہم اس بنا پر ماننے پر مجبور ہیں کہ انہوں نے اپنے ہی شیخ الہند مولانا

محمود حسن کے سورۃ الانبیاء، آیت ۸۷ کے ترجمہ کو پیغمبر کی شان کے مطابق نہیں جانا تو اس کا بھی انکار کر دیا جو درج ذیل ہے فظن ان لن نقدر علیہ ''پھر وہ سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو'' بلکہ وزارت تعلیم کی طرف سے منعقدہ میٹنگز میں تمام اراکین اجلاس کے سامنے اس ترجمہ کو ببانگ دُھل کفریہ قرار دیتے رہے۔

بہر حال ہم ان کے اس طور پر متشکر و ممنون ہیں کہ انہوں نے ہمارے رسالہ ''طائرانہ نظر'' پر اعتماد اس انداز پر ظاہر فرمایا کہ اپنے اعتراضات کے آخری پیرا ''ضروری وضاحت'' میں فرماتے ہیں

ضروری وضاحت:

ہمارے اس تجزیئے سے ہرگز یہ نظریہ قائم نہ کیا جائے کہ سید کاظمی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ان سب باتوں سے ہم اختلاف کرتے ہیں اور تربیتی نصاب کے ساری باتیں درست ہیں، ایسا ہرگز نہیں بلکہ کاظمی صاحب کی بعض باتوں سے ہم بھی اتفاق کرتے ہیں، مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کے قصے میں قرآن کریم میں ایک جملہ (فظن ان لن نقدر علیہ) کا بھی ہے قرآنی نصاب میں جو اس کا ترجمہ کیا گیا تھا وہ کسی بھی طرح پیغمبر کی شان کے مطابق نہیں۔ اس ترجمہ پر کاظمی صاحب نے جو تنقید کی ہے وہ بجا طور پر درست ہے نیز کاظمی صاحب نے گستاخ رسول کی سزا کے متعلق جو تجویز دی ہے وہ بھی قابل تعریف ہے ہمارا مطالبہ ہے کہ گستاخ رسول کی سزا جو کہ قتل ہے اُسے واشگاف الفاظ میں نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ اس کے علاوہ چند دیگر مقامات میں بھی کاظمی صاحب نے اچھی گرفت کی ہے ہم بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔ اللہ ہماری کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔

مولانا کے اس طرز کلام پر فقط اتنا عرض کرتا ہو۔

کبھی یہ کہتا ہے سورج ہے روشنی پہ گواہ	کبھی اسی پہ دلیلِ حجاب رکھتا ہے
کبھی فغاں کی طرح رائیگاں اثاثہ صرف	کبھی دعا کی طرح مستجاب رکھتا ہے

مولانا منظور احمد صاحب کے تأثر کا پہلا اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ جو انہوں نے ہمارے رسالہ ''طائرانہ نظر'' کے پڑھنے کے بعد پیش کیا۔ فرماتے ہیں۔ ''اس رسالے کے پڑھنے سے مجموعی طور پر جو تاثر قائم ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے اس نصاب میں شرک کو بت پرستی میں محدود کیا جائے اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام کی تعظیم کی آڑ میں شرک کا دروازہ کھولا جائے''

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ مینگل صاحب کا یہ محض اپنا گمان ہے کہ تعظیم انبیاء کرام کی آڑ میں شرک کا دروازہ کھل جاتا ہے سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام سوائے عبادت کے کونسی تعظیم ہے جو کہ حضور ﷺ کی بجا نہ لائے جس کی ایک جھلک انشاء اللہ تعالیٰ ابھی پیش کریں گے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک عبادت اور تعظیم میں کوئی فرق نہیں اور غالباً وہ نہیں جانتے کہ عبادت اور تعظیم میں نسب اربعہ میں سے کونسی نسبت ہے وہ نہیں جانتے کہ ہر عبادت تو تعظیم ہوتی ہے مگر ہر تعظیم عبادت نہیں ہوتی۔ اور اسے مناطقہ اپنی اصطلاح

میں عموم خصوص مطلق سے تعبیر کرتے ہیں۔اگر ہر تعظیم عبادت کا درجہ رکھنے لگ جائے تو ماں باپ، استاد کی تعظیم بجالانا تمام شرک ہو جائیگا۔اورسوال یہ ہے کہ رب العالمین کا فرمان فلا تقل لهما اُف و لاتنهرهما یہ تعظیم والدین کیلئے ہے یا تحقیر والدین کیلئے۔یا یہ فرمان عبث اور بے فائدہ ہے اوراسی طرح سید المرسلین ﷺ کے بارے میں وتعزروه وتوقروه(اوررسول کی تعظیم بجالاؤ اوران کی توقیر کرو) کا مفہوم کیا ہوگا؟

اور مینگل صاحب کا یہ کہنا کہ ''اس نصاب میں شرک کو بت پرستی تک محدود کیا جائے'' بالکل غلط ہے بلکہ ہم تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اس نصاب میں وہ آیات جو کہ بتوں اور مشرکین سے متعلق آئی ہیں انہیں اس انداز پر پیش نہ کیا جائے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی تعظیم کو کہیں شرک سے تعبیر نہ کیا جانے لگے اور حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مبارک کا پھر سے ظہور نہ ہونے لگ جائے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

کان ابن عمر یراهم شرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الیٰ اٰیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین (بخاری شریف ج۲،ص۱۰۲۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان (خارجیوں) کو مخلوق خدا میں بد بخت ترین جانتے تھے اورانہوں نے فرمایا کہ جو آیات کافروں (مشرکوں) کے متعلق نازل ہوئی ہیں انہوں نے ان آیات کو مومنین پر چسپاں کرنا شروع کردیا ہے۔

ہاں اگر طلباء کے دلوں میں شرک کی نفرت اور توحید باری تعالیٰ سے محبت کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی عقیدت واحترام بٹھایا جائے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے اور اس بنا پر شرک کیونکر پیدا ہونے لگا اور کیا مسلمانوں کیلئے یہ جائز ہے کہ ان مقدس حضرات کی شان کو بیان کرنے سے رک جائیں یا یہ کہ اسے گھٹانا شروع کردیں کہ کہیں اس کی آڑ میں شرک کا دروازہ نہ کھل جائے۔

واضح رہے کہ اگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی عظمت وشان کو کما حقہ بیان نہ کیا جائے تو یقیناً توحید کی آڑ میں توہین انبیاء کا دروازہ کھل جاتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کے زمانہ سے یہ سلسلہ جاری ہے۔کیا مولانا مینگل کو معلوم نہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ کے منافقین جو کہ اپنی نمازوں وغیرہ کی بنا پر توحید کے علمبردار بنے ہوئے تھے کیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہیں پہنچائی؟ اگر یقین نہ آئے تو سورۂ منافقون ملاحظہ کی جاسکتی ہے جبکہ سورۂ توبہ وغیرہ کی آیات بھی اس پر شاہد ہیں۔ہم تو صرف اس طرز عقیدت وعظمت کو سید المرسلین ﷺ کی امت میں رواج دینا چاہتے ہیں۔جو طریقہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے لئے اپنایا ہوا تھا جس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔مثلاً پروردگار نے ارشاد فرمایا

اِنَّـآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا . لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ (سورۂ فتح۔آیت نمبر۸،۹)

بے شک ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔تا کہ تم (لوگ) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم بجالاؤ اور ان کی توقیر کرو اور اللہ کی پا کی بیان کرو صبح اور شام۔

رب العالمین عزوجل نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو بھیجنے کے تین مقاصد ارشاد فرمائے۔

اول یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں، دوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کریں، سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں۔

مزید ان تینوں جلیل القدر باتوں کے حسین وجمیل امتزاج وترتیب کو تو دیکھئے کہ سب سے پہلے ایمان کو ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں اپنی عبادت کو اور درمیان میں اپنے پیارے حبیب ﷺ کی تعظیم کو۔

عروہ بن مسعود (جو کہ ابھی ایمان نہ لائے تھے ان) کو جب کفار قریش نے صلح حدیبیہ والے سال حضور کی طرف (اپنا سفیر بنا کر) بھیجا اور انہوں نے صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کرتے دیکھا (جس کا مکمل بیان نہیں ہوسکتا چند کا ذکر ہوتا ہے) کہ جب بھی حضور ﷺ وضو فرماتے تو صحابہ کرام اس مستعمل پانی کو بغرض تبرک حاصل کرنے کیلئے جلدی کرتے اور اس پانی کو حاصل کرنے کے لئے کٹ مرنے پر تیار ہو جاتے اور حضور ﷺ جب بھی لعاب دہن ڈالتے یا ناک مبارک سے ریزش مبارک ڈالتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے اپنے ہاتھوں پر لے کر تبرکاً اپنے چہروں پر ملتے اور اپنے جسموں پر ملتے اور جب بھی حضور ﷺ کا کوئی بال مبارک گرتا اس کو حاصل کرنے میں جلدی کرتے اور جب آپ ﷺ کسی بات کا حکم فرماتے فوراً بجالاتے۔اور جب آپ کلام فرماتے تو وہ اپنی آوازیں پست کر دیتے۔اور تعظیماً حضور ﷺ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھتے۔یعنی گھور گھور کے نہ دیکھتے۔جب وہ یہ منظر دیکھ کر قریش کے پاس واپس لوٹے تو کہنے لگے۔اے گروہ قریش میں نے کسریٰ، قیصر، نجاشی ہر ایک کو اپنی اپنی سلطنت ودبدبہ شاہی میں دیکھا۔اللہ کی قسم میں نے ایسا کوئی بادشاہ کسی قوم میں نہیں دیکھا جیسا آپ ﷺ کو آپ کے صحابہ میں دیکھا۔اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے ہرگز ایسا بادشاہ نہ دیکھا جس کے اصحاب اتنی تعظیم کرتے ہوں۔جتنا کہ آپ ﷺ کے اصحاب آپ کی کرتے ہیں تحقیق میں نے ایسی قوم (صحابہ) کو دیکھا کہ کبھی بھی ان کی امداد کو ترک نہ کریں گے۔

عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ بدری صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم بنی سالم کا امام تھا ان کی مسجد میں امامت کراتا تھا میرے اور اُن حضرات کے درمیان ایک پانی کا نالہ پڑتا تھا جو بارش ہونے کی وجہ سے پانی سے بھر جاتا تھا چونکہ میری بینائی کمزور تھی میرے لئے اس بناء پر بارش کے موسم میں اس سے گزر کر مسجد میں جانا مشکل ہو جایا کرتا تھا۔تو ایک روز میں سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ سرکار بینائی بھی کمزور ہے اور بارش کی بناء پر اس پہاڑی نالہ کے بھر جانے کی وجہ سے نماز پڑھانے نہیں جاسکتا تو کبھی غریب خانہ پر قدم رنجا فرمائیں اور وہاں کسی جگہ نماز ادا فرمائیں تا کہ میں اس جگہ کو حصول برکت کی خاطر اپنی نمازوں کیلئے مقرر کرلوں۔تو آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ ضرور میری جلوہ گری ہوگی پھر اگلے ہی روز دن چڑھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضور ﷺ کی تشریف آوری ہوگئی آپ ﷺ نے اپنے پہنچتے ہی فرمایا بولو کس

جگہ نماز ادا فرماؤں تو میں نے اپنی من بھاتی جگہ کے متعلق عرض کیا حضور یہاں پر! پس آپ ﷺ نے وہاں پر ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور ہم پیچھے صف بستہ حاضر تھے، جب آقائے دو عالم ﷺ نے سلام پھیرا تو ہم نے آپ ﷺ کیلئے حلیم تیار کیا ہوا تھا وہ پیش کیا جسے آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔ (بخاری شریف رقم الحدیث ۱۱۸۶)

امام حاکم اور امام بیہقی، حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون ہے جو میرے پاس سعد بن ربیع کی خبر لے آئے کہ ان کا کیا بنا۔ آیا وہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں کیونکہ میں نے دیکھا کہ بیک وقت بارہ نیزے ان میں گھونپے جا رہے تھے محمد بن مسلمہ یا ابی بن کعب نے کہا میں حاضر ہوں۔ محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں ان کی تلاش میں پھرتا رہا آخر میں نے انہیں ڈھونڈ لیا۔ وہ نزع کی کیفیت میں تھے۔ ان کے جسم پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے ستر سے زیادہ زخم تھے۔ میں نے انہیں حضور ﷺ کا سلام پہنچایا (نیز) کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی خبر لوں کہ آپ کس حال میں ہیں زندہ ہیں یا وصال فرما گئے ہیں؟ انہوں نے کہا آخری سانس لے رہا ہوں تو میری طرف سے (میرے آقا) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرنا پھر کہنا، سعد عرض کرتا تھا۔

جَزَاکَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنَّا خَیرَ مَاجَزیٰ نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے جو جزا اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہے''

نیز یہ بھی عرض کرنا۔ کہ (احد کے دامن سے) میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔ اپنے جان جاناں کو پیغامات نیاز و محبت پیش کرنے کے بعد اپنے بھائی محمد بن مسلمہ کے ذریعہ ایک اہم پیغام اپنی قوم کی طرف بھیجتے ہیں۔ فرمایا

اَبلِغْ قَومَکَ عَنِّی السَّلَامَ وَقُلْ لَّھُمْ اِنَّ سَعْدَ بْنَ رَبِیعٍ یَقُوْلُ لَکُمْ اِنَّہٗ لَا عُذْرَلَکُمْ عِندَ اللّٰہِ اَنْ یُخلَص اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَ مِنکُمْ عَیْنٌ تَطرِف

اپنی قوم کو میری طرف سے سلام پہنچانا پھر انہیں کہنا سعد بن ربیع تمہیں یہ کہتا تھا کہ اگر کوئی دشمن سرور عالم ﷺ تک رسائی حاصل کر لے اور تم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہو آنکھیں جھپک رہا ہو تو تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں کوئی عذر پیش نہیں کر سکو گے۔

یہ الفاظ کہنے کے بعد انہوں نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۴، صفحہ ۲۲۱۔۲۲۲، طبع بیروت)

مزید حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک اور حسین روایت ہے۔ **قالوا یا نبی اللّٰہ جعلنا اللہ فداک** صحابہ نے عرض کیا اللہ کے نبی اللہ ہمیں آپ پر قربان کر دے (مسلم شریف جلد ۱، ص ۳۶)

مسئلہ علم غیب کی وضاحت

مینگل صاحب نے مسئلہ علم غیب پر بھی کچھ اعتراض کئے ہیں ان کے جواب سے پہلے ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ بات ذہن سے نکال دی جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جتنا بھی علم آیا وہ محض فرشتوں کے ذریعے سے ہی آیا ہے۔ کیونکہ

سب سے پہلے اللہ تعالی نے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو جو غیب کا علم عطا فرمایا تھا اس میں فرشتوں کا کہیں سے کہیں تک کوئی دخل نہیں تھا۔جیسا کہ قرآن پاک میں واضح طور پر ارشاد ہے۔وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔''اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھا دیئے''اور اس کے بعد پھر پروردگار نے فرمایا۔ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔''پھر ان سب (چیزوں) کو فرشتوں پر پیش کر کے فرمایا تم مجھے ان (چیزوں) کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو''تو فرشتوں نے جوابًا کہا۔سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۔''تو پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا بیشک تو ہی بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے''یعنی فرشتوں نے کلیۃً ان کے جاننے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔اس تمام مکالمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ علم فرشتوں کے لیئے بھی غیب تھا۔ورنہ کوئی فرشتہ تو عرض کرتا ہاں اے پروردگار میں بتلائے دیتا ہوں کیونکہ یہ میرے ہی وسیلہ سے تو آدم علیہ السلام تک پہنچا ہے اور یہ علم غیب تھا جب ہی تو کوئی فرشتہ اسے بیان نہ کر سکا اور رب العالمین نے اس علم کو غیب سے تعبیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں سب چھپی چیزیں آسمانوں اور زمینوں کی''

اس پر یہ کہنا کہ یہ تو آسمانوں کی بات ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ آسمانوں پر کوئی اور خدا یا کوئی اور آدم یا کوئی اور ملائکہ موجود تھے؟

جب اس طرح نہیں ہے تو بات ہو رہی ہے غیب کے عطا کرنے یعنی بتلا دینے کی، اللہ تعالی کی مرضی جہاں، جب، جس طرح، جسے چاہے غیب عطا فرما سکتا ہے یعنی بتلا سکتا ہے۔

تو اب مولانا منظور احمد مینگل کے ذمہ یہ بات ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ میں غیب عطا فرمانے کی قدرت نہیں جبکہ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ''اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین''اور یا وہ یہ ثابت فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے کے باوجود کوئی شخص غیب نہیں جان سکتا جبکہ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اللہ کے امر کے بغیر مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین۔یا وہ یہ بتائیں کہ کونسی آیت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب عطا نہیں فرماتا۔

ہاں وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے غیب کو اپنے لئے خاص کیا ہے وہ ذاتی غیب ہے نہ کہ عطائی جبکہ ہم نے ذاتی غیب کی نہیں بلکہ عطائی غیب کی بات کی ہے جس کا مزید بیان آگے آرہا ہے۔

علم غیب پر مولانا منظور احمد مینگل کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا منظور احمد صاحب مینگل کی عبارت۔نوٹ۔اس ذاتی اور عطائی کی تاویل بلکہ تحریف سے شرک کا دروازہ مکمل طور پر کھل جاتا ہے ہر مشرک کہہ سکتا ہے کہ کلمہ توحید (لا الٰہ الا اللہ) میں غیر اللہ کے معبود ہونے کی جو نفی ہے وہ خود سے معبود ہونے کی نفی ہے جبکہ ہمارے معبود خود سے معبود نہیں بلکہ اللہ نے ان کو شان معبودیت عطا فرمائی ہے۔

اس سلسلہ میں اتنا عرض ہے کہ الوہیت عطائی نہیں ہوسکتی کیونکہ عطا مستلزم ہے حدوث (نو پید ہونے) کو جبکہ الوہیت مستلزم ہے قدم (ہمیشگی) کو، قدم اور حدوث ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ الوہیت عطائی نہیں یعنی جو الہٰ ہوگا وہ صفت الوہیت کے ساتھ قدیم ہوگا نہ کہ کسی کے بنائے سے الہٰ بن جائے۔ مزید تفصیل میں جانے کی بجائے الوہیت کے عطائی ہونے یا نہ ہونے کی بحث کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ کیا مولانا مینگل صاحب الوہیت کو عطائی مانتے ہیں تو مشرکین کے معبودوں کو بھی الہٰ مان لیں اور اگر نہیں مانتے تو جو جواب وہ الوہیت کے عطائی نہ ہونے پر دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے قبول کر لیں۔

اب رہا مسئلہ غیب کے عطائی ہونے یا نہ ہونے کا۔ اس پر بات کئے لیتے ہیں مگر واضح رہے کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جو غیب ذاتی ہے وہ قدیم ہے وہ کبھی حادث میں نہیں پایا جاسکتا اور جو عطائی ہے اس کا عطا ہونا واضح کر رہا ہے کہ یہ حادث ہے اور حادث اشیاء کا عطا کیا جانا ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چیز بھی عطا فرماتا ہے وہ حادث ہوتی ہے۔

مزید مولانا مینگل صاحب نے محض اپنی تائید میں بغیر عبارت کے جو بے بنیاد حوالے پیش کئے کہ کسی کتاب کا صفحہ ہے تو جلد نہیں جلد ہے تو صفحہ نہیں الغرض ان مبہم حوالہ جات کے جوابات دینے کی ہمیں چنداں فرصت نہیں کہ ہم کتابوں کی خوامخواہ ورق گردانی کرتے رہیں۔

مولانا مینگل صاحب نے ہمارا اقتباس پیش کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر کرتے ہیں۔

اسی طرح ص ۱۹ پر تبصرہ نگار لکھتے ہیں سورۂ نمل آیت نمبر ۶۵ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔ (آپ فرمادیجئے غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کے سوا۔) سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو غیب کا علم نہیں دیتا کیونکہ اس میں غیب کے بخود جاننے کی نفی کی گئی ہے۔ کسی کو عطا کرنے کی نفی نہیں کی گئی بلکہ غیب عطا فرمانا ثابت ہے۔

دیکھئے اس سابقہ عبارت سے تو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس آیت کے ترجمہ سے غیب عطا فرمانا ثابت کیا جارہا ہے جب کہ غیب کے ثبوت کے لئے تو دوسری آیات پیش کی گئی ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرمادیجئے غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کے سوا۔ سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو غیب کا علم نہیں دیتا کیونکہ اس میں غیب کے خود سے جاننے کی نفی کی گئی ہے کسی کو عطا کرنے کی نفی نہیں کی گئی بلکہ غیب عطا فرمانا ثابت ہے جیسا کہ سورۂ جن آیت نمبر ۲۶، ۲۷، سورۂ یوسف آیت نمبر ۶۸ اور ۸۶ کے تحت اس پر کلام گزر چکا۔

مزید یہ کہ اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تبصرہ نگار کی مذکورہ تفسیر نہ صرف غلط ہے بلکہ قرآن کریم میں تحریف کے مترادف ہے کیونکہ یہ تفسیر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین آئمہ مجتہدین، محدثین اور مفسرین میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں۔

ظاہر ہے تمام مفسرین کے حوالے پیش کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں مگر ''مشتے نمونہ ازخروارے'' کے طور پر ملاحظہ فرمائیے کہ جن

لوگوں نے یہاں پر خود سے جاننے کی نفی کی اور عطا سے غیب جاننے کو ثابت کیا ہے۔

علامہ قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی زیر بحث آیت **قل لایعلم** کے تحت ارشاد فرماتے ہیں **لکن اللہ یعلم ما غاب عنھم وغیرہ تعالیٰ لا یعلم الا با علامہ** (تفسیر مظہری۔سورۂ نمل زیر آیت ۶۵)

''لیکن اللہ جانتا ہے جو لوگوں سے غیب ہے اور اللہ کے علاوہ (جو شخص بھی ہو) اللہ کے بتلانے سے ہی جانتا ہے''

علامہ قاضی محمد ثنا اللہ پانی پتی صاحب اپنی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ **قلت ویمکن ان یکون التقدیر لا یعلم من فی السموات والارض الغیب بشئ الاباللہ ای بتعلیمہ** (تفسیر مظہری۔سورۂ نمل زیر آیت ۶۵)

میں کہتا ہوں اور ممکن ہے کہ تقدیر عبارت یوں ہو کہ جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے ذرا سا بھی غیب نہیں جانتا مگر اللہ کے بتلانے سے۔

علامہ شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر صاوی جلد ۴ ص ۲۴۵ پر آیۂ کریمہ ''**یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا**'' کے تحت ارقام فرماتے ہیں

وھذا قبل اعلامہ بو قتھا فلا ینافی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یخرج من الدنیا حتی اعلمہ اللہ بجمیع مغیبات الدنیا والاٰ خرۃ ولکن امربکتم اشیاء منھا کما تقدم التنبیہ علیہ غیر مرۃ

''یہ فرمان الٰہی حضور ﷺ کو وقت قیامت کا علم دینے سے پہلے کا ہے۔لہٰذا آیت کریمہ کا مضمون اس مسلک کے خلاف ہرگز نہیں کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا وآخرت کے تمام مغیبات نہ بتادیئے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کے چھپانے کا حکم آپ ﷺ کو دیا گیا تھا۔جیسا کہ ہماری اسی کتاب میں بار بار اس پر تنبیہ کی جا چکی ہے۔''

اور اس پر مینگل صاحب نے مزید آیت **قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الااللہ** کے بارے میں یہ تحریر کیا ''نیز آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر علم الغیب کے خود سے جاننے کی نفی ہے اس کی وضاحت کی جائے''

اس بارے میں عرض ہے کہ اس آیت کریمہ میں جو غیب اللہ تعالیٰ اپنے لئے ثابت فرما رہا ہے اسی کی دوسروں سے بھی نفی فرما رہا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے کونسا غیب ثابت فرما رہا ہے ذاتی یا عطائی۔

اگر اس غیب کو ثابت فرما رہا ہے جسے اس نے خود سے جانا یعنی ذاتی غیب تو دوسروں سے بھی اسی ذاتی غیب کی نفی ہو رہی ہے۔اور اگر اپنے لئے عطائی علم غیب ثابت فرما رہا ہے تو دوسروں سے بھی عطائی علم غیب کی نفی کر رہا ہے۔اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ دوسروں سے کیا ذاتی غیب کی نفی نہیں کی جا رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا غیب عطائی نہیں بلکہ ذاتی ہے۔پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آیت مذکورہ میں ذاتی علم غیب کا بیان ہے تو اس کے بعد کے جتنے بھی اعتراضات شق نمبر ا، سمیت کیے گئے وہ سب لایعنی ہو کر رہ جاتے

ہیں کیوں کہ ان تمام کا مَبنیٰ اور بنیاد اس بات پر ہے کہ آیت کریمہ قل لا یعلم من فی السموات و الارض الغیب الا اللہ ۔کو عطائی غیب پر محمول کیا جائے ۔ جب کہ اس آیت کریمہ میں ذاتی علم غیب مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم غیب ذاتی ہی ہے نہ کہ عطائی اور اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ علم غیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہے اور اسی کا بیان الا اللہ کے ساتھ کیا گیا ہے جب کہ اس کے مقدس بندوں کیلئے عطائی غیب کا ثبوت دوسری آیات سے ہے جن کا ذکر ابھی کیا جائیگا۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ آیت مذکورہ میں جو الغیب آیا ہے وہ مطلقاً آیا ہے چاہے ذاتی ہو یا عطائی تمام اللہ کیلئے ہے تو اس طرح تمام لوگوں سے ہر طرح کے غیب کی نفی ہو جائے گی ۔اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ اگر آیت مذکورہ میں ہر طرح کا غیب مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ اس آیت کریمہ میں ہر طرح کا غیب چاہے ذاتی ہو یا عطائی اللہ کے ماسوا سے اس کی نفی ہو رہی ہے ۔تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تو تسلیم کرنی پڑے گی کہ یہ تمام غیب اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہو رہے ہیں کیونکہ جس غیب کی دوسروں سے نفی ہے تو وہی اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے ۔ پس اس کا مطلب یہ ہو جائیگا کہ ذاتی اور عطائی ہر طرح کا غیب اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے تو کیا عطائی غیب کو اللہ تعالیٰ کیلئے تسلیم کرنا کفر نہیں؟ کہ آیا کسی نے اللہ تعالیٰ کو علم غیب عطا کیا ہے ۔''العیاذ باللہ''

پس ماننا پڑے گا کہ آیت مذکورہ میں محض ذاتی غیب مراد ہے نا کہ عطائی ۔

چند آیات مبارکہ جن سے غیب عطا فرمانا ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں

وما هو على الغيب بضنين ۔(سورۂ تکویر، آیت ۲۴)''اور وہ (نبی) غیب (بتانے) پر بخیل نہیں'' اگر غیب عطا ہی نہیں ہوا تو وہ غیب بتائیں گے کس طرح، نیز فرمایا فلا یظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول (سورۂ جن، آیت نمبر ۲۶، ۲۷)''اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر سوائے اپنے رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں فرماتا'' یعنی وہ اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے اور یہی تو غیب عطا فرمانا ہے ونزلنا عليك الكتب تبيانا لكل شيء (سورۂ نحل، آیت نمبر ۸۹)''اے حبیب ﷺ ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر شے کو بیان کرنے والی ہے'' تو اب بتلایئے جب قرآن ہر چیز کو بیان کر رہا ہے تو وہ اگر پوشیدہ اور غیب کو بیان نہ کرے تو ہر چیز کو بیان کرنے والا کیسے ہوگا وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل الله علیک عظیما (سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۱۳)''اور سکھایا آپ کو اے محبوب ﷺ جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے'' وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء (سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۷۹)''اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ تمہیں غائب پر مطلع کر دے ہاں اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں'' (کہ یہاں من رسله میں مذکور لفظ مِن ، مَنْ کا بیان ہے یعنی اس کے تمام رسول نہ کہ کچھ رسول)

شق نمبر ۲، میں مولانا مینگل صاحب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو علم الغیب حاصل تھا مگر پھر بھی (لا اعلم الغیب) کہہ کر

اپنے سے علم کی نفی کرتے تھے معاذ اللہ کیا یہ کذب اور دھوکہ دہی نہیں جس سے اللہ اور رسول پاک ہے۔(یعنی حضور کو علم غیب نہیں تھا)

اس سلسلہ میں اتنا عرض ہے کہ غیب کی جو بے شمار خبریں حضور ﷺ نے عطا فرمائی ہیں آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ جب بتلا دیا گیا تو وہ غیب نہ رہا تو اس سلسلہ میں اختصاراً اتنا عرض ہے کہ سورۂ ھود آیت نمبر ۴۹ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک. (یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں) میں اللہ تعالیٰ نے ان خبروں کو انباء الغیب (غیب کی خبروں) سے تعبیر فرمایا ہے۔آپ انہیں غیب ہونے سے کیسے نکال سکتے ہیں۔اگر اب بھی تسلی نہ ہو تو سورۂ یوسف آیت نمبر ۱۰۲،ذالک من انبآء الغیب نوحیہ الیک . یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف (اس غیب کی)وحی کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں! کہ اس آیت میں نوحیھا کی بجائے نوحیہ ہے کہ ہٖ ضمیر کا مرجع غیب ہے یعنی ہم آپ کی طرف غیب کی وحی فرماتے ہیں۔تو مولانا مینگل صاحب غیب اور غیبی خبروں کے بتلائے جانے کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو انباء الغیب (غیب کی خبریں)ہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ انباء الغیب (غیب کی خبریں) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الااللہ اورقل لااقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب میں جو الغیب آیا ہے اس میں شامل ہے یا نہیں۔

اگر شامل نہیں،تو ان آیات مذکورہ کا الغیب ناقص ہو جائے گا کامل نہ رہے گا جبکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا غیب ہے جو کہ کامل ہے اور اگر یہ انبـاء الغیب ان آیات مذکورہ کے الغیب میں داخل اور شامل ہے تو ماننا پڑے گا کہ اسی الغیب میں سے عطا ہوا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ اورقل لااقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ آیات مذکورہ کے الغیب میں سے حضور ﷺ کو غیب عطا ہوا ہے چاہے وہ خبروں کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

پس ثابت ہو گیا کہ یہ فرمان کہ لااعلم الغیب میں خود سے جاننے کی نفی فرما رہے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے جاننے کی کیونکہ اسی الغیب سے تو عطا ہو رہا ہے۔

واضح رہے کہ ذاتی اور عطائی غیب کا فرق صحابہ کرام میں بھی متعارف تھا تبھی تو کسی صحابی نے کبھی عرض نہیں کیا کہ یا رسول اللہ آپ تو اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں لااعلم الغیب کہ میں غیب نہیں جانتا۔مگر ادھر آپ بے شمار غیب کی باتیں بتلا رہے ہوتے ہیں تو حضور یہ سب کیا ہے۔صحابہ کرام کا اس بارے میں کسی قسم کا سوال نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی ذاتی اور عطائی کے فرق سے واقف اور آگاہ تھے جب کہ منافقین نے حضور ﷺ کے غیب پر پھبتیاں کسیں مثلاً سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۶۴،۶۵ کی تفسیر دیکھی جا سکتی ہے۔

بالفاظ دیگر کہ حضور ﷺ کے پاس جو بھی غیب ہے چاہے وہ اخبار غیب ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو میرے آقا حضور

ﷺ نے اس کو خود سے جان لیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور عطا کرنے سے جانا ہے اگر خود سے جانا ہے تو شرک ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے جانا ہے تو عطائی ہوا۔ میں اپنے قارئین کرام کی آسانی کیلئے مثال کے ذریعہ سے بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں ذرا سی توجہ درکار ہے۔ دیکھئے اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ گھر میں کوئی شخص نہیں ہے لیکن اس میں اگر ایک شخص بھی موجود ہو تو آپ اسے کہیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا تھا کیونکہ تم نے کہا تھا کہ اس گھر میں کوئی شخص نہیں جبکہ ایک شخص پایا گیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کے پاس کچھ بھی غیب نہیں ہے کیونکہ غیب عطا ہو ہی نہیں سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کے پاس غیب کی ایک بات بھی پائی گئی تو اس کا یہ کہنا غلط ہو جائے گا کہ کسی کے پاس کوئی غیب کی بات نہیں۔ اس بات کو علماء اس طرح بیان کرتے ہیں کہ **لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ** (سورۂ نمل، آیت نمبر ۶۵) اور **لا اعلم الغیب** (سورۂ انعام، آیت نمبر ۵۱) سالبہ کلیہ ہے اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ آتی ہے واضح رہے کہ اگر موجبہ جزئیہ ثابت ہو جائے تو سالبہ کلیہ جھوٹا ہو جاتا ہے۔ اگر ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کیا جائیگا تو سالبہ کلیہ **لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ** اور **لا اعلم الغیب** کی نقیض اخبار غیب **ذٰلک من انباء الغیب** کی صورت میں موجود ہے۔ جو اسے کاذبہ بنا دے گی **''العیاذ باللہ''**۔ تو ایسی صورت میں یہ سالبہ کلیہ قضیہ کاذبہ ہو جائیگا یہ قضیہ صادقہ تو تبھی ثابت ہوگا جبکہ دونوں قضیوں کی جہتیں مختلف تسلیم کی جائیں یعنی **لا یعلم مَن** الآیۃ اور **لا اعلم الغیب** میں ذاتی طور پر نہ جاننے کو تسلیم کیا جائے جب کہ **ذٰلک من انباء الغیب نوحیہ الیک** ''(اے محبوب) یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں ہم آپکی طرف غیب کی وحی کرتے ہیں'' میں عطائی غیب کو مانا جائے۔

مولانا منظور احمد صاحب کا یہ کہنا ''واضح رہے کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب (ماکان ومایکون کا عالم) نہیں کیونکہ قرآن کی کئی سورتوں میں اور سینکڑوں احادیث میں یہ مسئلہ موجود ہے نیز فقہاء کرام کی متعدد عبارتیں اس پر دال ہیں''

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ مینگل صاحب نے یہاں پر ''اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب (ماکان ومایکون کا عالم) نہیں'' پر امت کا اتفاق ثابت کیا ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ امت کا اس مسئلہ پر جو اتفاق رہا ہے اسکا کوئی ایک آدھ حوالہ تو پیش کر دیتے کہ فلاں صحابی اور فلاں تابعی اور تبع تابعی اور آئمہ مجتہدین اور فلاں فلاں مفسر اور محدث نے یہ بات کہی ہے کہ امت کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب (ماکان ومایکون کا عالم) نہیں جبکہ مولانا مینگل صاحب اپنی تائید میں ایسا کوئی حوالہ کبھی پیش نہ کر سکیں گے۔ اور وہ کون کون سی سورتیں ہیں جس میں یہ بات آئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب (ما کان وما یکون کا عالم) نہیں اور وہ کونسی سینکڑوں احادیث جس میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ جبکہ ہم صحیح مسلم کی حدیث سے اس کا جواب پیش کئے دیتے ہیں اور جواب ہی نہیں بلکہ (ماکان ومایکون) جو کچھ ہو چکا اور جو آئندہ ہوگا ان تمام کا علم حضور ﷺ کیلئے ثابت کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

عن عمرو بن اخطب قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر

فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبناحتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان وبما ھو کائن فاعلمنا احفظنا (صحیح مسلم شریف،حدیث۲۸۹۲)

حضرت ابوزید یعنی عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پاک پر جلوہ گر ہوئے پس ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ منبر پاک سے نیچے اترے پس نماز پڑھائی پھر منبر پر جلوہ گر ہوئے پس ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ عصر ہو گئی پھر نیچے تشریف لائے پس نماز پڑھائی پھر منبر پر جلوہ گر ہو گئے پس ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا پس آپ ﷺ نے ہمیں (ماکان و بماھو کائن) جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے سب بتلا دیا پس ہم میں بڑا عالم وہ تھا جسے ہم میں سے وہ خطبہ زیادہ یاد رہا۔

پس حدیث پاک کا جملہ ماکان و بماھو کائن (کہ جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے) کو ہمارے علماء ماکان و ما یکون سے تعبیر کرتے ہیں کہ جو ہو چکا اور جو ہوگا پس ماکان و مایکون کا علم حدیث پاک سے ثابت ہو گیا۔

حدیث پاک کے کلمات اَعْلَمُنا احفظنا (پس ہم میں بڑا عالم وہ تھا جسے ہم میں سے وہ خطبہ زیادہ یاد رہا) سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ یہ محض ایک راوی صحابی کا ہی معاملہ نہیں بلکہ صحابہ کی ایک جماعت اس میں شامل ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ عزوجل اور سرکار دوعالم ﷺ کا علم برابر ہے (العیاذ باللہ)

واضح رہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو جو عالم الغیب مانتے ہیں وہ محض ماکان و مایکون کا عالم تسلیم کرتے ہوئے نہیں مانتے کیونکہ یہ علم موجودات کا علم ہے اور موجودات جتنے بھی ہو جائیں وہ پھر بھی محدود ہیں۔ہم تو اللہ تعالیٰ کیلئے موجودات ممکنات کے علاوہ معدومات اور معدومات در معدومات الی غیر النھایہ اور اس کی اپنی ذات وصفات کا علم جو غیر متناہی ہیں تسلیم کرتے ہیں۔اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا علم جتنا بھی ہو جائے ماکان و مایکون (جو ہو چکا اور جو کچھ ہوگا) کا علم ہے جو کہ محدود ہے مگر اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود ہے۔

مولانا مینگل صاحب نے محض ماکان و مایکون کا علم جو اللہ تعالیٰ کیلئے بڑے شدومد سے ثابت کیا جبکہ وہ محدود ہی ہے جیسا کہ اس کی وضاحت ہو چکی۔

تو دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے محض محدود علم ثابت کرنا کیا اس کی شان میں گستاخی نہیں اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان کہ آسمانوں اور زمینوں کا غیب اللہ ہی جانتا ہے اس میں بھی تو محدود چیزوں کا بیان ہے۔

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ اس آیت کریمہ میں اگرچہ ذکر تو موجودات کے متعلق ہے مگر ان کا علم محدود نہیں کیونکہ اس میں اس بات کا علم بھی شامل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ فلاں چیز کو پیدا نہ فرماتا تو اس کی جگہ اپنے کارخانہ قدرت کو چلانے کیلئے کس اور کو پیدا فرماتا اور اگر اسے بھی پیدا نہ فرماتا تو کس اور کو پیدا فرماتا اور ہر ایک کے بدلنے سے جو تبدیلیاں رونما ہوتیں وہ کس کس طرح

ہوتیں۔اور یہ سلسلہ الی غیر النہایہ چلے گا اور اسے کہتے ہیں معدومات در معدومات کا علم۔

پس ثابت ہوا آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں اگر چہ محدود ہیں مگر ان کا علم لامحدود ہے جبکہ ما کان و مایکون جو ہو چکا اور جو ہوگا یہ علم محدود ہے۔جس نے اللہ تعالیٰ کیلئے محض ما کان و مایکون کا علم تسلیم کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے علم کو محدود کر دیا۔

واضح رہے کہ صحابہ کا ما کان و مایکون کا علم، علم غیب نہیں کیوں کہ انہیں یہ حواس کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی اور اپنے کانوں سے آپ ﷺ سے سنا جبکہ حضور ﷺ کا یہ علم، علم غیب ہے۔اور صحابہ کرام کو یہ تمام علم یاد رہنا بھی تو ثابت نہیں تب ہی تو وہ ارشاد فرما رہے ہیں۔**اعلمنا احفظنا** جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ایسا نہیں ہے

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب عبارت کا جواب

مینگل صاحب نے جو اعتراض حضور غوث اعظم شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے کیا ہے ہمارے لئے حجت نہیں۔کیونکہ مرأۃ الحقیقۃ نام کی کوئی کتاب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی نہیں ہے اور یہ عبارت آپ کی ہو ہی کیسے سکتی ہے جب کہ آپ اپنے بارے میں اپنے مشہور قصیدہ غوثیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا. کخردلة علی حکم اتصال۔

میں نے اللہ کے تمام شہروں کو دیکھا تو ان کو رائی کے دانہ کے برابر پایا

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے یا کہ والد

واضح رہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام حضور ﷺ کے جد امجد (دادا) ہیں تو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہوں گے وہ بھی حضور ﷺ کے دادا قرار پائیں گے۔پس آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار دینے میں متعدد خرابیاں لازم آتی ہیں۔

(۱) کئی حدیثوں کی مخالفت مثلاً حضور ﷺ کا ارشاد گرامی **لَمْ اَزَلْ اَنْقُلُ مِنْ اَصْلَابِ الطیبین اِلٰی ارحام الطاھرات** ۔میں ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں جبکہ قرآن پاک کی نص ہے **انما المشرکون نجس** کہ مشرکین تو ناپاک ہی ہیں۔

حدیث مذکور میں حضور ﷺ کے آباء و امہات (جن سے حقیقت محمدیہ گزر کر اس عالم آب و گل میں ظہور پذیر ہوئی ان) تمام کے طیب و طاہر ہونے کی دلیل ہے۔جبکہ آیت کریمہ مشرکین کے نجس و ناپاک ہونے کی دلیل ہے دریں صورت آزر کو والد مان لیا جائے تو حدیث پاک کا انکار لازم آئے گا۔کیونکہ آپ ﷺ کا نسب مبارک تو حدیث شریف کی رو سے طیب و طاہر ہے جبکہ بت گر آزر مشرک و نجس تھا وہ آپ کے نسب میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا مجھے ان کے بہترین لوگوں میں سے کیا پھر ان کے دو گروہ کئے پس مجھے ان کے بہترین گروہ میں پیدا کیا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے تو مجھے ان کے بہترین قبیلے میں بنایا پھر ان کے گھر بنائے مجھے ان کے بہتر گھر میں کیا۔ تو میں ان سب میں اپنی ذات اور گھرانے کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف۔ص ۵۱۳)

آزر کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد ماننے کی صورت میں آزر بھی ان بہترین لوگوں میں شامل ہو جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خرابی ہوگی کہ ہم ایک بت گر کافر کو خیر الناس میں شامل مان کر تمام خیر الناس کی تذلیل کریں۔

(۳) آزر کو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد ماننے سے یہ بات بھی لازم آئے گی کہ سورۂ ابراہیم میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا **رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء○ ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب** (آیت ۴۰،۴۱)

آپ کے والد کے حق میں قبول نہ ہوئی کیونکہ آزر مشرک و جہنمی تھا۔

پس مینگل صاحب نے ایک اولوا العزم نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے قبول نہ ہونے کو تو قبول کر لیا مگر آزر کے چچا ہونے کو تسلیم نہ کیا۔ وائے افسوس۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی بخاری شریف کی حدیث نمبر ۳۳۵۰ جس میں قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آزر کی ملاقات اور اس کی سفارش کا ذکر آتا ہے اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔ بعض علماء رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباء کرام شرک اور کفر کی آلودگی سے پاک اور منزہ ہیں ان کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اُس کو مجازاً باپ کہا گیا ہے اور ان کے باپ کا نام تارخ ہے اسی وجہ سے مطلقاً نہیں فرمایا کہ حضرت ابراہیم کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی بلکہ ابیہ کو آزر کے ساتھ مقید کیا تاکہ معلوم ہو یہاں مجازی باپ مراد ہے اور ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن متوجہ نہ ہو

(اشعۃ اللمعات جلد ۴، ص ۳۶۵ طبع نول کشور)

(کیونکہ اگر آزر حقیقی باپ ہوتا تو کسی وضاحت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔)

امام جلال الدین سیوطی تفسیر درمنشور میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں امام ابن شیبہ، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہیں۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں **والذی عول علیہ الجم الغفیر من اھل السنۃ .ان اٰزر لم یکن والد ابراھیم علیہ السلام وادعوا انہ لیس فی اٰباء النبی ﷺ کافرا اصلا لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات والمشرکون نجس** (ج ۷، ص ۱۹۴، ۱۹۵)

اور جس بات پر اہل سنت کے جم غفیر نے اعتماد کیا ہے یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا اور انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضور نبی مکرم ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی کافر نہیں تھا کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ میں ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں اور مشرکین نجس ہیں۔

شیخ محمد ادریس کاندھلوی بھی بخاری شریف کی حدیث نمبر ۳۳۵۰ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور آپ کے باپ کا نام تارخ ہے۔ بعض محققین علماء جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی ﷺ کے تمام آباء سے کفر کی نفی کی ہے ان کی یہی تحقیق ہے۔ اس بنا پر اس حدیث میں آزر کا ذکر اس لئے ہے کہ اگر یوں کہا جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ سے ملاقات ہوگی تو اس سے ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن چلا جاتا اور جب آزر کی قید لگائی تو ان کے حقیقی والد کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ (التعلیق الصبیح، جلد ۶ ص ۳۰۱)

اب دیکھنا یہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، سید محمود آلوسی، شیخ محمد ادریس کاندھلوی اور دیگر مفسرین ومحدثین کیا اس بات سے بالکل بے خبر تھے جس سے مولانا مینگل صاحب باخبر ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ (اب کے حقیقی معنی کو (بغیر کسی قرینے کے) چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں لیا جاتا۔ تو ان حضرات نے ''اب'' سے مراد چچا کیوں لے لیا یا یوں کہہ لیں کہ ان مذکورہ افراد کے نزدیک آزر کے چچا ہونے کے قرائن بلکہ مسلمہ حقائق تھے۔ مگر مولانا مینگل صاحب ان سے نابلد ہیں۔

رہا مولانا مینگل صاحب کا یہ کہنا کہ ''اب'' کا حقیقی معنی والد ہی ہیں باقی چچا کو ''اب'' مجازاً کہا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے عرف میں بھی چچا کو مجازاً ''اب'' کہا جاتا ہے حقیقی معنی کو بغیر کسی قرینے کے چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں لیا جاتا۔

اگر چہ اس کا جواب ہو چکا مگر پھر بھی اتنا عرض ہے کہ سابقہ جو دلائل ہم نے پیش کئے یہ قرائن ہی نہیں بلکہ حقائق ہیں کہ جنکی بنا پر آزر کیلئے جو لفظ ''اب'' آیا ہے اس سے مراد چچا ہے۔

مولانا مینگل صاحب نے مزید فرمایا کہ حقیقی معنی کو (بغیر کسی قرینے کے) چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں لیا جاتا کیونکہ اس طرح مجازی معنی مراد لینے سے لغت پر سے ایمان اور اعتماد اٹھ جائے گا۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ مولانا مینگل صاحب سے لغت پر اعتماد اٹھنا تو برداشت نہیں ہوا ہے مگر جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے قبول نہ ہونے کی بناء پر انبیاء کرام کی دعاؤں سے اعتماد اٹھ جانا وہ برداشت ہوگیا۔ ہائے یہ کیسا ایمان۔

اس پر یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو آزر کیلئے دعائے مغفرت کی تھی مگر وہ بھی تو قبول نہ ہوئی۔

اس سلسلے میں اتنا عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزر کیلئے استغفار کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرکین کیلئے استغفار کرنے سے منع نہ فرمایا تھا ورنہ آپ آزر کیلئے کیوں استغفار فرماتے مگر اس کے باوجود رب العلمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت یوں ظاہر فرمائی کہ آپ علیہ السلام کا آزر کیلئے استغفار فرمانے پر کسی قسم کی زجر و توبیخ کی بجائے آپ

کی دل جوئی فرمانے کے انداز پر یوں کلام فرمایا۔ وما کان استغفار ابراهیم لابیه الا عن موعدة وعدها ایاه فلماتبین له انه عدو للّٰه تبرأمنه ان ابراهیم لاواه حلیم (سورۂ توبہ آیت ۱۱۴)''اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے بخشش طلب کرنا صرف اس وعدے کی بنا پر تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے پھر جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بیشک ابراہیم بہت نرم دل نہایت حلم والے تھے۔'' سابقہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کرنے کی غرض وغایت بیان فرمائی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعائے مغفرت فرمانا محض ایفائے عہد کی بنا پر تھا جسے پورا کرنا انہوں نے مناسب سمجھا۔ مگر قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کیلئے دعا جس اہتمام سے پیش کی گئی کہ ابتداءً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے دعائے مغفرت فرمائی پھر اپنے صرف والد کیلئے نہیں بلکہ والدین کیلئے اور اس کے بعد تمام مؤمنین کیلئے۔ اور قیامت تک مؤمنین بھی انہی کلمات سے اپنے والدین کیلئے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے۔ پس یہ اہتمام بتلا رہا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد اور تھے جبکہ آزر اور۔

مولانا مینگل صاحب کی مزید عبارت۔ آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد ماننے سے کونسی نص قطعی کا انکار لازم آتا ہے جس کی وجہ سے کتاب اللہ کے حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینا ضروری ہو۔

اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کیا عرض کر سکتا ہوں کہ اس عبارت سے مولانا مینگل صاحب کا انبیاء کرام کی نسبی عظمت سے قلبی بغض کا اظہار ہو رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو کہ جدالانبیاء کے نام سے مشہور ہوئے اور بہت سارے انبیاء آپ کے نسب میں ہوئے یہاں تک کہ ہمارے آقا سرکار مدینہ ﷺ بھی۔ پس اگر آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار دیا جائے تو ان تمام انبیاء کرام کے انساب کی حرمت پامال ہوتی ہے اگر اسے ان تمام حقائق کی بناء پر چچا تسلیم کیا جائے تو تمام کا نسب صاف ستھرا اور پاکیزہ قرار پاتا ہے اور مومن کو دلی راحت بھی نصیب ہوتی ہے تو کیا ان تمام حقائق کی موجودگی میں ہمارے لئے یہ بات جائز ہے کہ ہم اس بات پر خواہ مخواہ ڈٹے رہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا چچا نہیں۔

معجزات انبیاء کرام علیہم السلام پر مینگل صاحب کے اعتراضات اور ان کے جوابات

معجزات انبیاء کرام علیہم السلام پر ہم نے جو تبصرہ کیا اس پر بھی مولانا مینگل صاحب نے اعتراض کیا اس کا جواب دینے سے پہلے ہم ان سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نے معجزات کو انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار میں دینے سے متعلق جو دلائل پیش کئے ان میں سے کسی ایک کا بھی جواب مینگل صاحب نے پیش نہ کیا بلکہ اپنے طور پر ایسی بات کہی جس کا حقیقت میں اس بات سے کوئی ربط ہی نہیں کہ معجزات انبیاء کے اختیار میں ہوتے ہیں کہ نہیں۔ مثلاً ہم نے آیت کریمہ پیش کی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَآءً حَيْثُ أَصَابَ (سورۂ ص۔ آیت ۳۶)

ہم نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ وہ ان کے حسب فرمان نرمی سے چلتی تھی جہاں وہ ارادہ فرماتے تھے۔

خود بتایئے اس بارے میں یہ آیت کتنی صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا اور وہ جہاں چاہتے وہاں وہ چلتی (اور انہیں ان کے تخت سمیت لئے پھرتی) اور ہم نے معجزے کی تخلیق اور کسب کا بیان کیا تو اس کا بھی کوئی جواب دینے کی بجائے ویسی ہی بات کہنے لگے جو جبریہ کہا کرتے تھے۔

اب مولانا مینگل صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا مینگل کا قول ''معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ جیسے وَمَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی''

اس بارے میں اتنا عرض ہے کہ وَمَارَمَیْتَ اور آپ نے (کنکریاں) نہیں پھینکیں سے ثابت ہو رہا ہے وہ (کنکریاں) حضور ﷺ نے نہیں پھینکیں اور اِذْرَمَیْتَ ''جب آپ نے (کنکریاں) پھینکیں'' سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے وہ کنکریاں پھینکیں وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ''اور لیکن اللہ نے پھینکیں'' سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

اب دیکھئے کہ مولانا مینگل صاحب ومارمیت اور ولکن اللّٰہ رَمٰی پر تو ایمان رکھتے ہیں کہ وہ کنکریاں حضور ﷺ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں مگر اذ رمیت کو نہیں مانتے کہ جب آپ ﷺ نے پھینکیں تبھی تو وہ اس بارے میں کہتے ہیں۔ ''ظاہر ہے اللہ کا فعل اللہ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں''۔

مزید آگے مولانا مینگل صاحب کا کہنا کہ ''اس طرح تو اللہ کا اپنے فعل میں غیر اللہ کا تابع ہونا لازم آئیگا جو کہ شان الوہیت کے منافی ہے''

اس طرح تو کل مولانا مینگل صاحب بچہ کی پیدائش کے موقع پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسے اللہ نے پیدا فرمایا اور اس میں اس کے باپ کے کسب کا کوئی دخل نہیں۔ ورنہ تو اللہ کا فعل غیر اللہ کے فعل کے تابع ہو جائے گا۔ جو کہ شان الوہیت کے منافی ہے۔

مزید برآں اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ اللہ کا فعل غیر اللہ کے فعل کے تابع ہوتا ہے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کا فعل اللہ کے فعل کے تابع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم ''طائرانہ نظر'' میں بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ معجزے کا خالق ہے وہ اس معجزے کو پیدا فرماتا ہے جب کہ نبی اس معجزے کا کاسب (کسب کرنیوالا) ہوتا ہے اور ظاہر ہے تخلیق ہمیشہ پہلے ہوتی ہے کسب اس کے بعد۔ اور آیت مذکورہ میں غور کریں تو تخلیق اور کسب کے فرق کو بالکل واضح طور پر پائیں گے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ وَمَارَمَیْتَ۔ آپ نے کنکریاں نہیں پھینکیں یعنی آپ معجزے کے خالق نہیں۔ اِذْ رَمَیْتَ۔ جب آپ نے پھینکیں یعنی آپ اس معجزے کے کاسب (کسب کرنیوالے) ہیں ولکن اللّٰہ رَمٰی۔ لیکن اللہ نے پھینکیں یعنی اگر اللہ اس معجزے کی تخلیق نہ فرماتا تو آپ اس کے کاسب نہ ہوتے اس اعتبار سے اللہ نے پھینکیں۔

مزید برآں یہ کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ مکمل اس طرح ہے۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَمَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔آیت کریمہ کے پہلے حصے فَلَمْ تَقْتُلُوْ هُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ کے بارے میں مولانا کیا فرمائیں گے کہ جب میدان بدر میں قتال کرنیوالے صحابہ کرام سے رب العالمین نے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایافَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (اے میرے محبوب کے بدری صحابیو) تم نے ان مشرکین کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل فرمایا۔جبکہ یہاں پر تو ان صحابہ کرام کے کسبِ جہاد پر دلالت کرنے کیلئے ۔اِذْ قَتَلْتُمُوْ هُمْ ۔کا جملہ بھی نہیں آیا۔جب کہ آیت کے اگلے حصے میں اِذْ رَمَيْتَ آیا ہے جو کہ کسب پر دلالت کررہا ہے۔یعنی آیت کریمہ کا پہلا حصہ اس طرح نہیں۔فَلَمْ تَقْتُلُو هُمْ اِذْ قَتَلْتُمُوْ هُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰه قَتَلَهُمْ ۔تو ہمارا معترض یہاں بھی یقیناً یہی کہے گا کہ میدان بدر میں جو مشرکین قتل ہوئے خود اللہ تعالیٰ نے آ کر تلوار سے ان کے سر قلم کئے اور صحابہ کرام کا اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ مینگل صاحب کسب اور تخلیق کے فرق کو تسلیم نہیں کرتے اور یہاں تو کسب کو ظاہر کرنے کیلئے اذقتلتمو هم کا جملہ بھی نہیں اور ظاہر ہے اللہ کا فعل اللہ ہی کے اختیار میں ہوتا ہے اس طرح تو اللہ کا اپنے فعل میں غیر اللہ کا تابع ہونا لازم آیگا جو کہ شان الوہیت کے منافی ہے!

واضح رہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس جہاد میں کوئی کردار نہیں اور اس قتال سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں تو انہیں اس کا اجر بھی نہیں ملا ہوگا اور نہ ہی وہ مجاہد فی سبیل اللہ کہلانے کے حق دار ہوں گے اور میدان بدر سے حاصل ہونے والے مال کو مال غنیمت بھی نہیں ماننا چاہئے بلکہ اسے مال فے کہنا چاہئے کیونکہ مال غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو مجاہدین کے جہاد سے حاصل ہو اور جو ان کے جہاد کے بغیر حاصل ہو وہ مال فے کہلاتا ہے۔جبکہ ہم تو یہاں بھی یہی بات کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں رب العالمین نے قتال کی تخلیق کو بیان فرمایا ہے اور صحابہ کرام کے قتال کرنے کو اس مخصوص انداز میں اپنی طرف منسوب کرکے ان کے قتال کرنے کے اس کسب فعل کی عظمت کو دوبالا فرمایا ہے اور اس بنا پر بھی بدری صحابیوں کو دیگر صحابہ کرام پر عظمت و رفعت حاصل ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ نبی کو جب معجزہ میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اس عظیم الشان اختیار سے مختار مانا جائیگا تو غالبًا یہ بات مولانا مینگل صاحب کو پسند نہیں۔

آیئے تفسیر روح المعانی سے تخلیق فعل اور کسب فعل کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

واستدل بالآية على ان افعال العباد بخلقه تعالىٰ وانما لهم كسبها ومباشرتهاقال الامام : أثبت سبحانه كو نه ﷺ راميا ونفى كونه راميا فوجب حمله على انه عليه الصلوة والسلام رمى كسبا والله تعالىٰ رمى خلقا. (جلد نمبر۹،ص۱۸۵)

آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کیا گیا کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اور بندوں کیلئے اس کا کسب کرنا اور بجالانا ہے (یعنی اللہ خالق افعال ہے اور بندہ ان کا کاسب ہے) امام نے فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور ﷺ کے لئے اس بات کو ثابت بھی فرمایا کہ آپ پھینکنے والے ہیں اور آپ کے پھینکنے کی نفی بھی فرمائی۔پس اسے اس بات پر محمول کرنا واجب ہے کہ آپ ﷺ نے

پھینکا باعتبار کسب کرنے کے اور اللہ تعالیٰ نے پھینکا باعتبار تخلیق کے۔

(۳) ہمارے رسالہ ''طائرانہ نظر'' کے صفحہ ۱۴ پر ایک پروقار تحریر کے جواب میں سوائے استہزاء کے ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا لہٰذا اس پر تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

مولانا مینگل صاحب مزید لکھتے ہیں اسی طرح صفحہ ۱۴ پر سید کاظمی صاحب نے قرآنی نصاب سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو'' (ترمذی)

اس حدیث کے متعلق اسی صفحہ پر کاظمی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دی علم فاؤنڈیشن کے مرتب کردہ نصاب میں کئی مقامات پر اس حدیث کی روشنی میں یہ بات بار بار تحریر کی گئی ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی مانگنا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مانگنا ہے (اگر چہ جوتے کا تسمہ کیوں نہ ہو) رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے تو کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوسکتا ہے مگر ہمارا اختلاف اس حدیث پاک کی تشریح میں اس انداز تحریر سے ہے جس میں انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قلت ادب ہے، کیونکہ اسلام ایک حسین مذہب ہے اور اس کو عقل سلیم کے تقاضوں کے مطابق بیان کرنا چاہئے، انصاف سے فیصلہ کیا جائے کہ جب کسی کو وسیلہ نہ مانتے ہوئے یہ جملہ کسی عقل سلیم رکھنے والے شخص کے سامنے بیان کیا جائے، کیا وہ اسلام کو دین فطرت اور ایک سچا مذہب سمجھے گا

اس کے چند سطروں کے بعد مذکورہ حدیث کے دین فطرت کے بجائے اپنی فطرت کے مطابق تشریح کرتے ہوئے سید کاظمی صاحب لکھتے ہیں یہاں ذراسی وضاحت کے ساتھ یوں بات کہی جائے تو ہر قسم کا غبار دھل جائے گا کہ ہم جس سے جو چیز طلب کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ ہی عطا فرماتا ہے چاہے وہ جوتے کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ بظاہر جس سے جو چیز طلب کی ہے وہ ہمارے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہے کہ عادت الٰہیہ اسی طرح ہے کہ دیتا اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس کی عطا کے لیے وسائل ہوتے ہیں۔

مولانا مینگل صاحب کی عبارت آپ نے ملاحظہ فرمائی۔

ہماری اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مینگل صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

قارئین کرام ایک دفعہ پھر مذکورہ حدیث اور دی علم فاؤنڈیشن کی طرف سے کی جانے والی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں ایسی کونسی بات ہے جو شان انبیاء واولیاء کے خلاف ہے اگر وسیلہ کے بغیر عقل سلیم رکھنے والا شخص اس حدیث کا انکار کرتا ہے تو الزام معاذ اللہ گویا کہ رسول اللہ ﷺ پر آئیگا کہ انہوں نے وسیلے کو ذکر کئے بغیر اس حدیث کو ذکر کیوں کیا۔

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ کئی آیات اور احادیث ایسی ہیں جو تشریح وتوضیح کی متقاضی ہوتیں ہیں تو کیا ان کے متعلق یہی بات کہی جائے گی کہ یہ الزام تو ''معاذ اللہ'' اللہ اور اس کے رسول پر آئے گا کہ انہوں نے ان کو بغیر تشریح وتوضیح کے کیوں پیش کر دیا مثلاً آپ اپنے کسی نابینا مقتدر پیشوا عالم دین سے مصافحہ کرتے ہوئے باآواز بلند آیت کریمہ تلاوت فرمائیں جسے ہر عام وخاص شخص سُنے

ومن کان فی ھذہ اعمٰی فھو فی الاخرۃ اعمٰی واضل سبیلا۔ (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۷۲)

''اور جو شخص اس دنیا میں اندھا رہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا اور اس سے بھی زیادہ راہ بھٹکا ہوا''

اس وقت آپ کا یہ تلاوت کرنا سامعین اور آپ کے احباب بالخصوص ان مقتدر پیشوا عالم دین کو کیسا لگے گا۔ اور اگر اس وقت کوئی آپ سے کہے کہ یہ موقع اس آیت کریمہ کی تلاوت کا نہیں کیونکہ اس وقت اس کی تلاوت سے اس عالم دین کی قلت ادب واضح ہوتی ہے بلکہ اس وقت تو انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (سورۂ فاطر۔ آیت ۲۸) (اللہ کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں) پڑھنا چاہئے تھا۔

تو کیا آپ یہ بات کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں کہ یہ آیت تو دل کے اندھوں کیلئے ہے محض نابینا لوگوں کیلئے نہیں۔ ہاں اگر اس کی تشریح اور وضاحت اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تو الزام اللہ تعالیٰ پر لگاؤ نہ کہ مجھ پر کیونکہ میں تو محض قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں جو کہ ثواب ہے۔

واضح رہے کہ حدیث شریف اپنے بیان میں واضح تھی اور اس کی تشریح کرنیکی چنداں ضرورت بھی نہ ہوتی کیونکہ اس میں نہ تو بزرگان دین کی عظمتوں کا انکار ہے نہ ہی قبروں کا ذکر۔ کیونکہ اس حدیث شریف میں تو اللہ تعالیٰ پر مکمل طور پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو کچھ بھی مانگنا ہو اللہ سے مانگو مگر اسے کیا کہئے کہ یہ حدیث مبارک بزرگان دین اور قبروں کے خلاف ناجائز طور پر اتنی استعمال کی جانے لگی۔ پس آج کے زمانہ میں یہ حدیث شریف اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی رغبت دلانے کے لئے پیش نہیں کی جاتی ہے بلکہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے نہ مانگنے کی ترغیب دلانے کیلئے پڑھی جاتی ہے اس لئے اب جب بھی یہ حدیث شریف پڑھی جاتی ہے تو اسے سننے والا ہر عام و خاص شخص یہ بات سمجھ لیتا ہے کہ یہ درحقیقت انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے خلاف پڑھی جا رہی ہے۔ اس پر ہماری دلیل مینگل صاحب کا اپنا قول ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

فرماتے ہیں ''بات درحقیقت یہ ہے کہ مذکورہ حدیث قبر پرستی اور غیر اللہ سے مانگنے کے خلاف ایٹم بم ہے اس لیے قبر پرست حضرات اس حدیث سے پریشان ہیں''

آپ نے دیکھا کہ مولانا مینگل صاحب خود قبول کر رہے ہیں کہ ''یہ حدیث قبر پرستی اور غیر اللہ سے مانگنے کے خلاف ایٹم بم ہے'' حالانکہ اس حدیث شریف میں نہ قبروں کا ذکر نہ آستانوں کا مگر اسے کیا کہئے کہ خواہ مخواہ اپنی فطرت کے مطابق اپنی من مانی تشریح کر کے حدیث شریف کو انبیاء کرام، اولیاء عظام اور قبروں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔

مولانا مینگل صاحب کا اس حدیث مبارک کی تشریح میں یہ کہنا کہ ''واضح رہے غیر اللہ سے مانگنے سے جو چیزیں بھی ملتی ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی عطا فرماتا ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے اس سے ہمیں انکار نہیں مگر ہمارا اختلاف اس حدیث پاک کی تشریح میں اس انداز تحریر سے ہے جس میں انبیاء کرام و اولیاء عظام رحمہم اللہ کی تعظیم کی آڑ میں قبر پرستی اور غیر اللہ سے مانگنے کی ترغیب ہے جس سے اس حدیث کا دور کا بھی واسطہ نہیں''

مولانا مینگل صاحب کے بیان میں کتنا تضاد ہے۔ دیکھئے تحریر فرماتے ہیں۔

واضح رہے غیر اللہ سے مانگنے سے جو چیز بھی ملتی ہے وہ درحقیقت اللہ ہی عطا فرماتا ہے یہ حقیقت مسلّم ہے اس سے ہمیں انکار نہیں۔

جناب والا کی تحریر سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ آپ غیر اللہ سے مانگنے کو جائز قرار دے رہے ہیں مگر نیچے ارشاد فرماتے ہیں ''ہمارا اختلاف حدیث پاک کی تشریح میں اس اندازِ تحریر سے ہے۔ جس میں انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء عظام رحمہم اللہ کی تعظیم کی آڑ میں قبر پرستی اور غیر اللہ سے مانگنے کی ترغیب ہے'' یعنی اوپر غیر اللہ کی دَین کو اللہ تعالیٰ کی عطا ثابت کررہے ہیں جب کہ چند سطر بعد فرماتے ہیں کہ ''غیر اللہ سے مانگنے کی ترغیب دلانے سے ہمیں اختلاف ہے''۔

یعنی غیر اللہ سے لیکر کھاؤ بھی مگر بتلاؤ بھی نہ کسی کو ''ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے'' آنجناب کی تحریر سے کبھی تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا کے نزدیک انبیاء کرام اور اولیاء عظام (جو کہ غیر اللہ ہیں) کے وسیلہ سے مانگنا بے ادبی اور گستاخی ہے جبکہ وسیلہ کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہی توحید ہے۔ جبکہ ہم پورے وثوق سے یہ بات کہے دیتے ہیں کہ جناب والا سے وسیلہ کا انکار نہ بن پڑے گا۔ اس کا بیان ''طائرانہ نظر'' میں گزر چکا۔

مولانا مینگل صاحب نے **مانعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ** کی آیت سے جو استدلال کیا ہے واضح نہیں۔ پھر بھی اتنا عرض ہے کہ مشرکین کا شرک ان بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے تھا۔ رہا مشرکین کا ان بتوں کو وسیلہ بنانا تو ظاہر ہے جو وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اسے وسیلہ بنانا غلط ہے جبکہ درست وسیلہ کا وسیلہ بنانا صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کیلئے انبیاء کرام کو پیدا فرمایا ہے نہ کہ بتوں کو مثلاً قرب خداوندی کے حصول کیلئے خانہ کعبہ شریف جو کہ غیر اللہ ہے کا طواف کرنا درست ہے کیونکہ یہ قرب خداوندی کا وسیلہ ہے جبکہ آپ کے آستانہ کے چکر لگانا عبث اور بے فائدہ ہوگا۔

جو لوگ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی تقسیم کے قائل ہیں وہی حضرات حدیث مذکور کہ ''جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگو'' پیش کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث شریف کا تعلق ماتحت الاسباب سے ہے جبکہ انبیاء کرام اولیاء عظام اور قبروں سے مانگنا یہ مافوق الاسباب سے ہے اور مینگل صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ حدیث پاک قبر پرستوں کیلئے ایٹم بم ہے''۔ ملاحظہ فرمایئے کہ ماتحت الاسباب حدیث کو مافوق الامور سے متعلق کیا گیا کیونکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ لوگ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو وسیلہ جان کر ان کا احترام کرنا چھوڑ دیں۔

مولانا مینگل صاحب کا ایک اور اعتراض ملاحظہ فرمایئے۔ اس طرح فاضل تبصرہ نگار صفحہ ۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں اس چیز کی وضاحت ہونی چاہئے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانے میں جو شرک تھا وہ بت پرستی کی بنا پر ہوا کرتا تھا کسی ایک شخص کو بھی کسی نبی کی تعظیم بجالانے پر مشرک قرار نہیں دیا گیا۔

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گویا کہ فاضل تبصرہ نگار کے نزدیک شرک صرف بت پرستی کا نام ہے۔اس پر صرف اتنا عرض ہے کہ کیا نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں غلو کرنے کی وجہ سے مشرک نہیں ہوئے۔

قارئین کرام آپ نے ہماری ''طائرانہ نظر'' کی عبارت ملاحظہ فرمائی کہ اس میں ہم تو انبیاء کرام کے زمانہ کی بات کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اس چیز کی وضاحت ہونی چاہیئے کہ سابقین انبیاء کرام علیہم السلام کے زمانہ میں جو شرک تھا وہ بت پرستی کی بناء پر ہوا کرتا تھا۔کسی ایک شخص کو بھی کسی نبی کی تعظیم بجالانے پر مشرک قرار نہیں دیا گیا مگر مولانا مینگل صاحب نے یہاں ہم پر دو الزام لگائے (۱) کہ ہمارے نزدیک شرک صرف بت پرستی کا نام ہے (۲) نصاریٰ ،عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں غلو کرنے کی وجہ سے مشرک قرار پائے۔یعنی ان کے زمانے میں

اب ہم مولانا مینگل صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دکھلا دیں کہ انبیاء کرام کے زمانہ میں کوئی شخص تعظیم نبی کرنے کی بنا پر مشرک قرار دیا گیا ہو۔کوئی ایک مثال چاہیئے؟

رہا مولانا مینگل صاحب کا فرمان کہ کیا نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں غلو کرنے کی وجہ سے مشرک نہیں ہوئے۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ مولانا مینگل صاحب قرآن مجید یا حدیث شریف سے کوئی ایسا حوالہ پیش کریں کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں ان کی تعظیم میں غلو کر کے شرک کیا ہو یا ان کی موجودگی میں انہیں ابن اللہ کہہ کر وہ مشرک بنے ہوں۔

جبکہ ہم دلیل پیش کئے دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں نصاریٰ نے ایسا کوئی قول نہیں کیا یعنی نصاریٰ کا قول وقالت النصاری المسیح ابن اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد کا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں سورۂ مائدہ آیت نمبر ۱۱۶،۱۱۷ سے واضح ہوتا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

واذقال اللہ یعسی ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ قال سبحنک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم مافی نفسی ولآ اعلم مافی نفسک انک انت علام الغیوب o ماقلت لھم الا مآامرتنی بہ ان اعبدوااللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شی ء شھیدo

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔وہ عرض کریں گے تو پاک ہے۔میرے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو اسے تو ضرور جانتا۔تُو میرے دل میں چھپی ہوئی ہر بات جانتا ہے اور جو تیرے علم میں ہے میں اسے نہیں جانتا۔بیشک تو ہی سب غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔میں نے انہیں نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا کہ (صرف) اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں ان پر نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو ان پر تو ہی نگہبان تھا اور تو ہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

ان آیات میں مکمل بات واضح کردی گئی ہے کہ و کنت علیهم شهیدًاما دمت فیهم(اور میں ان پرنگہبان تھاجب تک میں ان میں رہا) جبکہ فلما تو فیتنی کنت انت الرقیب علیهم کہہ کر بعد والے معاملہ کواللہ کے سپرد فرما رہے ہیں (اس کی تفصیل تفاسیر میں دیکھی جاسکتی ہے)۔اگر نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں انہیں ابن اللہ کہا ہوتا وغیرہ وغیرہ تو اِس موقع پروہ اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے عرض کردیتے کہ اے پروردگار میں نے توان کومنع کیا تھامگر وہ باز نہ آئے۔جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیارب انی دعوت قومی لیلاونهارا0 فلم یزد هم دعا ء یٓ الا فرارا. (سورۂ نوح۔آیت ۵،۶)''اے میرے رب بے شک میں نے اپنے (منکر) لوگوں کورات دن (حق کی) دعوت دی۔تو میری دعوت حق نے ان کیلئے بھاگنے کے سوا کچھ زیادہ نہ کیا''قال نوح رب انهم عصونی. (سورۂ نوح،آیت ۲۱)''نوح نے عرض کی اے میرے رب بے شک انہوں نے میرا حکم نہ مانا''

مولانا مینگل صاحب کا کہنا''واضح رہے عبادت کہتے ہیں کسی کے سامنے انتہائی تذلّل اور تعظیم کرنا۔اس قسم کی تعظیم اگر کسی نبی یا ولی کی کی جائے تو یہ بھی شرک ہے''

مولانا منظور احمد مینگل صاحب نے عبادت کوانتہائی تذلل اور تعظیم میں منحصر کیا ہے ظاہر ہے انتہائی تذلل محض معبود ہی کے لئے اختیار کرنا چاہئے مگر تعظیم کو یہاں مطلقاً ذکر کیا جس کا مطلب اس کے سوااور کیا ہوسکتا ہے کہ مولانا کے نزدیک کسی کی ذراسی تعظیم بجا لانا درست نہیں چاہے وہ نبی ہو یا والدین،شیخ کامل ہو یا استاد وغیرہ کیونکہ تعظیم اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے تبھی تو وہ آگے لکھتے ہیں''اس قسم کی تعظیم اگر کسی نبی یا ولی کی جائے تو یہ بھی شرک ہے''۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ کس قسم کی تعظیم،تو ظاہر ہے جواب یہی آئے گا۔اس قسم کی تعظیم جس کا پیچھے ذکر ہو چکا اور وہ مطلقاً تعظیم ہے۔ظاہر ہے غایت تذلل،تعظیم نہیں ہے اور تذلل،تعظیم ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ تذلل ذلت سے ہے یعنی عاجزی وانکساری جبکہ تعظیم عظمت سے ہے۔

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ وتعزروه وتوقروه (اور رسول کی تعظیم بجالاؤ اور ان کی توقیر کرو) پر اگر مولانا عمل کرتے ہیں تو اپنے ہی قول کی زد میں آتے ہیں۔اگر عمل نہیں کرتے تو قرآن کے مخالف قرار پاتے ہیں۔۔۔۔۔

مزید برآں حضور ﷺ کے سامنے صحابہ کرام آپ کی جو تعظیم بجالاتے تھے جس کی مثالیں اسی کتابچہ کے ابتدائی حصہ میں پیش کی جاچکی ہیں اور حضور ﷺ نے انہیں اس تعظیم سے منع نہیں فرمایا بلکہ وہ تعظیم کرواتے رہے تو اس بارے میں مولانا کیا فرماتے ہیں جبکہ ہم اہل سنت عبادت میں اللہ کی بارگاہ میں انتہائی تذلل اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ غایت تعظیم کے قائل ہیں۔محض تعظیم کے نہیں کیونکہ عمومی تعظیم انسان اپنے بڑوں کی بجالاتا ہے۔مگر غایت تعظیم سوائے اللہ کے کسی اور کیلئے روا اور جائز نہیں۔

بہر حال مولانا نے عبادت کی جو تعریف کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بھی تعظیم کی جائے اس کی ایک

حد ہونی چاہیئے۔ چونکہ ہمارے پیارے آقائے نامدار رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ معظم ومکرم ہیں اس لئے آپ کیلئے جو تعظیم ہوگی وہ غیر اللہ کی تعظیم بجالانے کی آخری حد ہوگی۔ پس اس حد کو ہمارے اسلاف نے بیان کرتے ہوئے فرمایا

(۱) دَعْ مَاادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ — وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًافِیْهِ وَاحْتَکِمْ

(۲) فَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ — وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

(۳) فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ — حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

(۴) لا یمکن الثناء کما کان حقه — بعد از خد ابزرگ توئی قصه مختصر

یعنی

(۱) آپ وہ طریقہ چھوڑ دیں جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق اپنایا (کہ انہیں ابن اللہ تک کہہ دیا) اس کے علاوہ جس طرح چاہیں آپ ﷺ کی مدح بجالائیں اور تعریف کرنے میں اپنی من مانی کریں۔

(۲) پس اس ذات اقدس ﷺ کی بلندی مرتبہ، عزت واعزاز کے اوصاف کو جتنا چاہو بیان کرو اور انکی شان اقدس میں جتنا چاہو عظمت ورفعت کو اجاگر کرو۔

(۳) (تم ان کی تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتے ہو) کیونکہ رسول ﷺ کی فضیلت کی کوئی حد نہیں ہے (اور) کوئی بڑے سے بڑا فصیح وبلیغ شخص اسے ادا نہیں کرسکتا ہے۔

(۴) آپ ﷺ کی تعریف کرنے کا جو حق ہے ویسی تعریف ممکن نہیں
قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد بزرگ اور مرتبہ آپ کا ہے۔
(پس شرک نہ کرو اس کے علاوہ جتنی تعریف کر سکتے ہو کرو)

دربارِ عالیہ سعیدیہ کاظمیہ

مرکزی شاہی عیدگاہ ملتان میں ہر جمعۃ المبارک کو

(نمازِ عصر تا مغرب)

محفل درودِ بحرالکمال منعقد ہوتی ہے۔

(اور بعد نمازِ مغرب)

درسِ قرآن و درسِ بخاری دیا جاتا ہے۔

اپنی قلبی وروحانی تسکین کیلیئے اس میں خود بھی شرکت

فرمائیں اور دوست احباب کو بھی ساتھ لائیں۔

پاکستانی وقت کے مطابق بعد نمازِ عصر

درج ذیل ویب ایڈریس پر اس محفل کو انٹرنیٹ پر براہِ راست بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

www.syedarshadsaeedkazmi.com/liveprogrames